بابر حسین
اسکالر پی ایچ ۔ڈی اُردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دبستان سر سید کا نثری اسلوب

As a prolific writer Sir Syed's prose writing has had its inspiration from Ghalib, Hali's writing has its own grace and beauty, Shibli's work contributed much to Sir Syed's movement. Nazeer Ahmed used words in the light of the sound factor .While Muhammad Hussain Azad's ink was bound for his own freedom. However all of them shared literacy vices similar in one way or another. But over all every member of Dabistan-e-Sir Syed was an example of individual capabilities and qualities.

ہر عہد کا اپنا ایک اسلوب ہوتا ہے۔تنقید و تحقیق کی زبان میں اسلوب کسی لکھنے کے خاص طرز تحریر یا طرز نگارش کو کہتے ہیں جب کوئی شاعر یا نثر نگار جس پیرایہ بیا ن کو اختیار کرتا ہے وہی اس کا اسلوب ہوتا ہے۔ اُسی طرح عہد سر سید کا بھی ایک الگ اور منفرد اسلوب رہا ہے اور جس کے بانی سر سید ہیں جس کے محرک غالب کی نثر کے ساتھ جاملتے ہیں جب عہد سر سید کا نثری اسلوب پروان چڑھا تو اُس کے ساتھ انفرادی اسلوب نے بھی اپنی منازل طے کیں جس سے اردو ادب کی ترقی و ترویج میں مزید اضافہ ہوا۔

ہر عہد میں شعراء اور مصنفین کے الگ الگ پیرایہ بیان کو استعمال کیا اس حوالے سے نثار احمد فاروقی اسلوب کی تعریف کرتے ہیں۔

> "اسلوب یا طرز نگارش کا مسئلہ ایسا مسئلہ نہیں جس پر کوئی فیصلہ کن دو ٹوک با ت کہی جا سکے۔ آسان لفظوں میں یوں کہا جاسکتاہے کہ یہ افکا ر و خیالات کے اظہار و ابلاغ کا ایسا پیرا یہ ہے،جو دل نشین بھی ہو اور منفرد بھی اس کو انگریزی میں سٹائل(style) کہتے ہیں اردو میں اس کے لیے"طرز"یا" اسلوب "عربی اور جدید فارسی میں اسے"سبک" کہتے ہیں "[1]

بنیادی طور پر سر سید ایک سیاسی مفکر کے طور پر سامنے آئے جب کہ دوسری طرف وہ ایک مذہبی مصنف بھی تھے اس وجہ سے اُن کے عمل کے مدار دو چیزوں پر تھا۔

۱۔مذہب

۲۔سیا ست

سرسید ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔انہوں نے ہر میدان میں اپنے دیر پا اثرات چھوڑے۔اردو ادب کا جہاں تک تعلق ہے وہ اردو کے اولین معماروں میں تھے تعلیمی معاملا ت میں اُن کا خاص نقطہ نظر تھا۔ویسے سرسید کے ادبی کارناموں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن ان کی علمی و ادبی خدمات ناقابل فراموش ہے جس سے اردو ادب کو ناقابل فراموش ترقی ملی اور اردو کو سہل اور سلیس بناکر اردو نثر کو اظہار کا وسیلہ بنایا اور تکلف اور تصنع کو ترک کیا اور اپنی قوت فکر وعمل سے انقلاب پیدا کیا۔

اُن کی سیاسی اور مذہبی حیثیات الگ الگ اہمیت کے حامل ہوتے ہوئے منفرد اسلوب کے حا مل ہیں۔ مذہبی حیثیت کے ساتھ ساتھ ان کی ادبی حیثیت سے بھی انکار ممکن نہیں ہیں دور جدید میں مغربی افکا ر کے اثرات بڑھتے گئے۔دبستان سر سید سے پہلے اردو نثر کے دو قابل ذکر اسلوب رہے ہیں جن میں پہلا اسلوب ''سب رس'' کا اسلوب ہے یہ اسلوب فارسی کے زیر اثر رہا اس میں مسجع و مقفیٰ تحریر کا اسلوب ہے۔دوسرا اسلوب فورٹ ولیم کالج کا اسلوب جس میں سادہ اور سلیس تحریر کا آغاز کیا۔فارسی کے مشکل الفاظ کی جگہ سادہ اور آسان الفاظ نے جگہ کی۔ فورٹ ولیم کالج کے زیر اثر فارسی کا غلبہ کم ہوا لوگ مشکل سے آسان کی طرف راغب ہوئے نثر اردو کو مسجع و مقفیٰ، شاعرانہ طریق ادا سے چھٹکارا دلایا۔اس دور کا ادب عصری مسائل پر بحث نہیں کرتا اور نہ ہی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کرتا تھا۔قدیم دکنی دور کو ترک کیا لیکن یہ سعی قصے کہانیوں تک محدودرہی۔

سر سید حقیقت پسندی کی طرف راغب ہوئے انہوں نے غم جاناں کے ساتھ ساتھ دور حاضر کے عصری مسائل کی بھی بھرپور عکاسی کی۔انہو ں نے قدیم اسلوب پر تنقید کے ساتھ ساتھ جدید اسلوب کی راہیں بھی متعین کی اُن کا نظریہ یہ تھا کہ تحریر سادہ ہونے کے ساتھ ساتھ پُر لطف بھی ہو سر سید نے نثری اسلوب کی بنیاد مندرجہ ذیل چیزوں پر رکھی تھی۔

۱۔ سادگی
۲۔ بے تکلفی اور بے ساختگی
۳۔ مدعا نویسی
۴۔ روانگی
۵۔ سنجیدگی
۶۔ اثر آفرینی

یہ وہ اوصاف تھے جنہیں حالی نے نیچرل طرز بیان کا نام دیا ہے۔مغربی نظریات اور بالخصوص فورٹ ولیم کالج کی ادبی تحریریں آپ کے اسلوب پر اثر انداز ہوئی سر سید کے اسلوب کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں۔

"ادب کے متعلق سید صاحب کا نظریہ افادی تھا۔ان کے خیال میں ادب صرف تفریح یا محض آرائش بیان نہیں اگر ادب صرف تفریح اور آرائش کا نام ہوتا تو وہ شاید ادیب بننا اور کہلانا بھی پسند نہ کرتے۔یہ صحیح ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں انشا کو بڑی اہمیت دی مگر انہوں نے انشا کو محض انشا کے لیے اہمیت نہیں دی بلکہ معانی اور مطالب کے لیے ان کے نزدیک مضمون اور دل سے انکار ہوا مضمون طرز ادا پر مقدم ہے کیو نکہ مضمون کے بغیر طرز ادا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور مضمون کی نوعیت اور اس کے مقصد کے زیر اثر طرز ادا کا خود بخود فیصلہ ہو جاتا ہے گویا دوسرے الفاظ میں مضمون اپنے ادا کے لیے خود راستہ پیدا کر لیتا ہے "(۲)

سر سید نے اپنی نثر میں انگریزی الفاظ بھی استعمال کیے اس حوالے سے انہوں نے کہا تھا کہ غیر زبان کے الفاظ کو اپنا کر اپنا کر لینا اہل زبان کا کام ہے انہوں نے نیچر، سو یلیزیشن ، ماڈل، کونسل، میٹریل جیسے الفاظ استعمال کرکے ذخیرہ الفاظ میں مزید وسعت عطا کی۔سرسید ادب برائے ادب کے قائل نہیں بلکہ وہ ادب کو مقصدیت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔وہ کسی خاص طبقے کے لیے نہیں لکھتے بلکہ اپنی قوم کے سب افرادکے لیے لکھتے ہیں۔ جن کی اصلاح کے لیے وہ خواہاں تھے۔

اردو ادب کی ترقی میں سر سید کا حصہ ناقابل فراموش ہیں ان سے اردو نثر کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔اگر چہ ان کی تحریروں میں دو چیزوں نمایاں تھیں۔

سیاست

اصطلاح

اس سے پہلے ان کی اردو ادب میں کمی تھی اور سر سید نے اس کمی کو پورا کیا۔ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:

"خالص ادب اور عام تصانیف دونوں میں زمانے نے ان سے بہت کچھ سیکھا اور بڑی بات یہ ہے کہ ادب میں کہنگی ، فرسودگی، تعطل و جمود اور ایک رخاپن آگیا تھا اس کو سر سید کی زبردست تصنیفی سرگرمیوں نے بالکل دور کر دیا۔انہوں نے ادب میں ایک نیا پن ایک ہمہ گیری ایک مقصد ایک سنجیدہ اور ایک خاص قسم کی معقولیت پیدا کی ۔"(۳)

سر سید احمد خان نے تعلیمی ،تہذیبی ،اخلاقی،مذہبی اور تاریخی اقدار کو واضح کرنے کے لیے ایک الگ اور منفرد اسلوب اپنایا جس سے معاصرین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے کیو نکہ یہ ایک فطری اسلوب تھا۔جس کو حالی، شبلی اور نذیر نے مزید مستحکم کیا سرسید کو زبان پر قدرت حاصل تھی اس لیے وہ زبان اور الفاظ کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے اور اس کے نمونے ان کی تحریروں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ان کی فکری صلاحیتں ان کو ایک اعلیٰ پایہ کی صف میں کھڑا کرتی ہیں۔جس کے اثرات ان کی نثر اور اسلوب میں نظر آتے ہیں۔

حالی اپنے ہم عصر نثر نگا روں میں ایک الگ اور منفرد اہمیت کے حامل ہیں۔وہ ادب کو قوم کی اصلا ح کے لیے استعمال کرنے کے حامل تھے۔ان کی تحریروں میں سادگی ،خلو ص ، دھیما پن ، نرم لب و لہجہ ،اعتدال پسندی،یہ سب عناصر شامل تھے۔لیکن ان کے ساتھ ساتھ بیان کی قوت سلاست ،بلاغت دیگر معاصرین سے کہیں زیادہ ہیں۔ حالی کی ادبی زندگی کا آغاز رسائل و جرائد سے ہوا۔

ان کی تحریروں کے سرچشمے سر سید کی تحریر سے جاملتے ہیں۔لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حالی کا اسلوب سرسید کی دین ہے تو یہ بات اتنی معتبر نہ ہوگی کیونکہ حالی اور سر سید کے اسلوب میں یکسانیت تو ہیں لیکن سر سید کے تابع نہیں ہیں۔حالی سر سیدکے نظریات کے حامی تھے لیکن جہاں انہوں نے اختلاف کیا وہیں ان کی شخصیت میں انفرادیت نظر آئی جبکہ عام ناقدین کی نظر میں یہ ہے کہ وہ اسلوب کے معاملے میں سر سید کے مقلد تھے۔جبکہ یہ رائے حتمی طور پر صحیح نہیں ہیں۔البتہ حالی کے ہاں چند ایسے عناصر موجود ہیں جو سر سید کے اسلوب بیاں میں نہیں ملتے۔حالی کے ہم عصروں میں جو جوش اور جذباتی پن ہیں وہ حالی کے ہاں قدر مدہم ہیں کیوں کہ حالی کی تحریریں اُن کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ یوں رقم طراز ہیں:

> "مولانا حالی کی تحریروں میں جذبے کی وہ شدت نہیں پائی جاتی جو مثلاً مولانا کی تحریروں میں پائی جاتی ہیں مگر ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حالی کی تحریریں جذبے سے یکسر خالی ہیں اُن کی تحریروں کا غالب رنگ غیر شخصی ہے۔اس وجہ سے نثر میں وہ جذبہ کو کم سے کم داخل ہونے کا مو قعہ دیتے ہیں۔اور نثر کو نثر بنائے رکھتے پر مُصرِ رہتے ہیں۔اس کے علاوہ اُن کی نظر مدعا نگاری پر مرکوز رہتی ہے۔مگرحق یہ ہے کہ اپنی پوری کوشش کے باوجود کسی مصنف کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی تحریروں کو اپنی ذات کے عکس سے اتنا دور رکھے کہ اس کی کوئی شعاع اس کا کوئی پر تو اس کے الفاظ میں منعکس نہ ہونے پائے"۔(۴)

حالی کی تحریروں میں جوش بیاں کی کا فی کمی ہے لیکن ان کی تحریر کا بڑا وصف بھی سادگی ہے حالی کے نزدیک خیال پیچیدہ اور ناہموار نہ ہو بلکہ عام فہم ،روز مرہ کی بول چال اور عام انسانی ذہن کی استطاعت کے مطابق ہو۔

> "اُن کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ بیان ایسا ہو جس سے لوگ انہیں بڑا عالم اور انشاپرداز یا فلسفی اور مفکر خیال کریں یا مضمون کو پیش کرتے وقت ایسا پیرائیہ اختیار کیا جائے جس سے سننے والے کے دل یا خیال میں خواہ مخواہ اشتعال یا ہیجان پیدا ہو اور وہ ہیجان میں آکر کہہ اٹھے "خوب لکھا ہے"خوب لکھا ہے" خالی کی غرض اپنے مضمون کو ادا کرنے اور مطالب کو صراحت اور فصاحت سے پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتی اسی وجہ سے ان کی تحریروں میں ایسے استعارے کم ہیں جن سے معنٰی میں مبالغے کا رنگ پیدا ہوتا ہو .....مضمون ثانوی حیثیت اختیار کر جائے"۔(۵)

حالی کے اسلوب کی یہ خصوصیات ہے کہ اُن کے طرز بیان میں سر سید کے اسلوب کی جھلکیاں عیاں ہے لیکن اُن کا اپنا رنگ بیان بھی مستحکم ہے۔

مولانا شبلی نعمانی دبستانِ سر سید کے نامور فرزند ہیں۔حا لی کے بعد اردو ادب کی تاریخ میں مولانا شبلی کا نام آتا ہے۔شبلی اردو کے ارکانِ خمسہ میں سے وہ منفرد مصنف ہیں جنہیں جامع العلوم کا لقب دیا جاسکتا ہے ادب کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس میں انہوں نے اپنا سکہ نہ منوایا۔شبلی کے اسلوب میں احساس عظمت اور احساس کمال نمایاں نظر آتا ہے جو ان کے اسلوب کی نمایاں صفت ہے۔ان کی تحریروں میں ناز، فخر ،نشہ، انجمن،مستی ،بہار اور تم جیسے الفاظ کا استعمال الماموں سے لے کر سیرت النبیؐ تک نظر آتا ہے شبلی کا اندازِ تحریر بہت منفرد ہے۔

> "شبلی اپنے اندازِ تحریر کے لیے بھی معاصرین میں منفرد ہیں۔اس کے یہاں آزاد کی طرح محض الفاظ کے طوطا مینا اُڑانے کا جذبہ نہیں ہے لیکن آزاد کا زور بیان اور قوت کلام ان کے یہاں موجود ہے۔مولوی نذیر احمد کا محاورہ بندی کا شوق شبلی کے یہاں نہیں ہے لیکن اُن کی زبان یکساں طور پر خاص و عام کی پسند ہے"۔ (۶)

شبلی کا اسلوب جدا گانہ ہے ان کے اسلوب میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ان میں سے ایک سب سے نمایاں خو بی ان کا جوش بیان اور قوت ہے۔

"ان کی تحریر پڑھ کر قاری کی طبیعت میں ایک جوش اور ہیجان پیدا ہو جاتا ہے ان کا اسلوب ان کے موضوع کا تابع ہے ان کی تحریروں میں جوش اور ولولہ اپنے شباب پر نظر آتے ہیں ۔"(۷)

شبلی کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات ایجاز و اختصار ہے اسلوب بیان نظم و نثر میں ایجازو اختصار بنیادی خوبی سمجھی جاتی ہے۔ بڑی سے بڑی بات کو اور مختصر سے مختصر انداز میں ایسے بیان کرنا کہ قاری فوری طور پر سمجھ جائے ان کی تحریروں میں فارسی کی رنگین تراکیب، اردو کے محاورات اور روزمرہ سے عبارت کو مزین کرتے ہیں۔ لیکن عبارت کا عیب نہیں بننے دیتے شوخی و نکتہ آفرینی کے ساتھ ساتھ استدلال،منطق بھی آپ کے اسلوب کا نمایاں پہلو ہے۔

"شبلی کو یہ فن آتا ہے کہ ان کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں وہ جہاں معنی پوشیدہ ہوتے ہیں جو کئی پیراگرافوں میں بھی نہیں سما سکتے۔بیان کے اختصار کے لیے وہ شاعرانہ وسیلوں (تشبیہ، استعارہ مراعاہ النظیر اور مبالغہ و غیرہ) سے بھی کام لیتے ہیں"۔(۸)

دبستانِ سر سید کے دوسرے ادیبوں کی طرح شبلی بھی ایک مقصدی ادیب ہیں۔ان کے اسلوب بیان میں تخیل کا رچاؤ، بےساختگی اور تہذیبی رچاؤ کے نمونے جابجا نظر آتے ہیں۔ان کی پر تمکنت رنگینی و رعنائی، استعارے اور کنایے دیگر شاعرانہ الفاظ ، فطری لب و لہجہ ، حسن ترتیب اور جذبہ انگیز الفاظ اسے انفرادیت عطا کرتی ہے۔ان کی زبان خاص و عام میں سمجھی جاتی تھی۔ان کی نثری آہنگ میں دھیما پن پایا جاتا ہے۔شبلی بطور مکتوب نگار پورے تقاضے پورے کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے فقرات کو اپنی تحریر کا زیور بناتے ہیں۔

"ان کی شخصیت کے بعض گوشے عطیہ فیضی اور زہرہ فیضی کے خطوط میں ضرور بے نقاب ہوتے ہیں لیکن ان خطوط میں ان کی انشا پردازی کا وہ کمال نظر نہیں آتا جو ان کی دیگر تحریروں میں ملتاہے۔البتہ ان کےاسلوب میں ارتقائی مدارج پائے جاتے ہیں۔شبلی سوانحی، تاریخ اور تنقیدی خدمات کی بنا پر بہت سی خامیوں کے باوجود ایک انشا پرداز اور صاحب طرز نثر نگار تھے اور آزاد کے بعد اردو کے بڑے انشا پردازوں میں ان کا شمار کیا جا سکتا ہے"۔(۹)

شبلی بطور نقاد ،مورخ، سوانح نگار ان سب حیثیتوں میں اپنا ایک الگ اور منفرد اسلوب رکھتے ہیں۔فصاحت و بلاغت اور مبالغے کی اہمیت کے بارے میں کہتے ہیں:

"شاعری میں مبالغہ اگر جائز ہے تو صرف تخیلی شاعری میں۔"فلسفیا نہ، اخلا قی ،تاریخی ، نیچرل شاعری میں مبالغہ بالکل لغو چیز ہے۔ان کی رائے میں مبالغہ میں،"حسن "تخیل کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ جھوٹ کی وجہ سے ،وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شاعری میں مبالغہ تمدن کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے "۔(۱۰)

علاوہ ازین شبلی کے اسلوب میں سادگی و پرکاری اور بےساختگی ہے منظر نگاری میں بھی اپنے فن کے جواہر دیکھائے ہیں اور ان کے جمالیاتی حسن نے اسلوب کو ایک منفرد دلکشی اور احساس حسن بخشا ہے اس وجہ سے ان کو بقائے دوام حاصل ہیں۔

جس طرح دبستان سر سید کا ہر شخص انفرادی زبان و بیان ،صداقت ،مزاج ،انداز اور معیار میں اپنی مثال آپ تھا۔لیکن نذیر احمد اسلوب بیان کے اعتبار سے دیگر مصنفین سے منفرد تھے۔یہ ایک ادیب کے اپنے مزاج اور ماحول پر منحصر ہے۔اسلوب میں خارجی عناصر کے علاوہ لکھنے والے کی شخصیت کا مزاج اور جملہ شعوری کیفیات شامل ہوتی ہیں۔سر سید کے بعد وہ ایسے شخص ہیں جنہوں نے عام زندگی اور مسائل زندگی سےواسطہ جوڑا۔اس میں ان کے ذاتی حالات واقعات بھی شا مل تھے۔

نذیر احمد نے روز مرہ کی زبان استعمال کی ہیں لیکن کہیں کہیں عربی ،فارسی اور انگریزی زبان کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں بعض جگہوں پر انہوں نے اپنے نکتہ نظرکوتقویت دینے کے لیے اقوال و امثال کا استعمال بھی کیا ہے تاہم وہ مجموعی سطح پر بات کرتے ہیں ان کی تصانیف کے اہم موضوعات درج ذیل ہیں۔

۱۔ دینی تصانیف

۲۔ قصے

ان کی صلاحتیں ناولوں میں زیادہ منفرد اور نمایاں نظر آئیں ہیں۔ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات طوالت ہیں۔جس طرح شبلی کی اختصار نویسی نے مقبولیت حاصل کی اور نذیر کی طویل نویسی نے عوام کو متاثر کیا ان کی تحریروں میں طویل مکالمے پائے جاتے ہیں۔نذیر احمد جب مقصدیت کی طرف راغب ہوتے ہیں تو سادگی ان کی تحریر کا وصف ہوتی ہے۔لیکن جب کسی مسئلہ میں الجھ جاتے ہیں تو خودنمائی غالب آجاتی ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ ان کی نگارش پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نذیر احمد مقتضائے حال کے کامیاب ابلاغ کے دوران میں دفعتہ دو بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ان کی ایک بیماری تو فاضل دولت مولانا صلاح الدین احمد کے قول کے مطابق ''مولویت ہے اور دوسری کر سٹانیت'' بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ دوسری چیز زیادہ غالب ہے

کیونکہ مولویت تو ان کے کردار کا جزو بن چکی تھی مگر یہ دوسری نئی بیماری جس کو اس عہد کے اکثر تعلیم یافتہ لوگ فخر سے دعوت دیتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔اس میں وہ کچھ زیادہ مبتلا معلوم ہوتے ہیں"(۱۱)

نذیر احمد بلاشبہ اردو کے کامیاب نثر نگار اور انشاء پرداز میں کیونکہ وہ اس فن سے آشنا تھے۔شبلی نے اسلامی تاریخ کو عقل کے سانچے میں رکھ کر پیش کیا تو نذیر نے گھریلو زندگی کو ایک اعلیٰ نمونے کے ساتھ پیش کیا۔ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:

"نذیر احمد ہی اردو کے وہ واحد انشاء پرداز ہیں جن کی باتیں زور دار ہوتی ہیں۔حالی کی آواز دھیمی ،لہجہ مسکینوں صیا ،شبلی پکی مگر مختصر بات کہنے والے ،آزاد میٹھی میٹھی (کبھی لمبی کبھی مختصر) کہانیاں کہنے والے ،ان میں صرف نذیر احمد ہی وہ انشاء پرداز ہیں جو پر زور انداز میں بات کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ان کے لہجے میں بھی قوت ،کرختگی اور صلابت ہے اور ان کے الفاظ میں بھی رعب اور طنطنہ ہے"۔(۱۲)

مولانا محمد حسین آزاد شاعر بھی ہیں، مضمون نگار بھی اور نقاد بھی لیکن جس چیز نے انہیں شہرت دوام بخشی وہ ان کا طرز تحریر ہے۔ان کے اسلوب میں زبان کی سادگی ،انگریزی کی صاف گوئی اور فارسی کا حسن موجود ہے۔ آزاد نے نثر میں شاعری کی ہیں اور وہ اپنے دور کے بڑے مرصع کار ہیں محمد حسین آزاد دبستان سر سید کے ایک فرد ہونے کے باوجود انہوں نےاجتماعی اسلوب کی تقلید نہیں کی نہ ہی وہ روایات کے پابند تھے۔انشاء پردازی کے معاملے میں بھی ہم عصروں سے الگ اور منفرد شناخت کے حامل تھے۔جس کی وجہ سے انہوں اردو ادب کو منفرد اسلوب سے لبریز تخلیقات مہیا کیں۔آزاد صحیح معنوں میں آزاد تھے۔آزاد پر تعلیمی ،قومی اور سیاست کا غلبہ نہیں تھا۔جس طرح حالی، شبلی اور نذیر پر تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سر سید کے مرکز سے قدر دور تھے۔

آزاد نےشعرو نثر میں شہرت حاصل کی قصص الہند ،سخن دان فارس،نیرنگ خیال ،دربار اکبری ، نگارستان فارس ،سیر ایران وغیرہ ان کی قدرت اور منفرد اسلوب کی بدولت ہمیشہ بلند رہے گا ، ناقدین ان کے اسلوب کو تو سراہتے ہیں لیکن ان کی محققانہ حیثیت کو نہیں مانتے۔وہ ہر جگہ اپنا اثر قائم کیے ہوئے ہیں انہوں نے تشبیہہ،استعارہ، مضمو ن آفرینی ،تمثیل کاری اور رعایت لفظی سے کام لیا ہے۔

"آزاد واقعات ،تجربات اور مشاہدات پر تخیل کا رنگ چڑھا دیتے ہیں۔تشبیہ و استعارہ ان کی تحریروں میں بکثرت ملتا ہے۔وہ تجسم نگاری سے کام لیتے ہیں تمثیلی انداز اختیار کرتے ہیں اور لفظوں سے مصوری کرتے ہیں۔مرقع نگاری ان کے اسلوب کا ایک وصف ہے۔وہ ماضی

کی تصویر کھینچ دیتے ہیں۔اس کے اچھا یا بُرا ہونے پر کوئی حکم نہیں لگاتے"۔ (۱۳)

اسی اسلوب کی وجہ سے وہ قاری کے بہت قریب ہے کیو نکہ وہ مختصر فقروں میں بڑی بڑی با ت کہنے پر قادر ہے۔وہ چھوٹے چھوٹے فقرات لکھ کر قاری کو ذہنی تھکاوٹ سے بچاتے ہیں ان کی تحریر میں جہاں مسجع اور رنگین عبارتیں نظر آتی ہے وہاں سادہ سلیس عبارتیں بھی موجود ہے ان کی سادگی میں شوخی اور شوخی میں سادگی ہے۔اردو کو اعلیٰ درجے پر جس نے پہنچایا اُس میں آزاد کی خدمات کو ہمیشہ سراہا جائے گا۔آزاد کی طرف فطرت میں منطق سے زیادہ جاذبیت اور تخیل کی کارفرمائی ملتی ہے اور تخیل کی رنگین تصویر کاری ہی ان کے اسلوب کا وصف خاص ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نثار احمد فاروقی ،اسلوب کیا ہے ،مشمولہ ،اسالیب نثر پر ایک نظر ،ص ۱۱

۲۔ سید عبداللہ ،ڈاکٹر ،سر سید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء، سنگ میل پبلی کیشنز ،لاہور،۱۹۹۸ء،ص۴۱

۳۔ سید عبداللہ ،ڈاکٹر ،میر امن سے عبد الحق تک ، مجلس ترقی ادب اردو ،لا ہور،۲۰۰۵،ص ۹۵

۴۔ سید عبداللہ ،ڈاکٹر ،سر سید احمد خان اور اُن کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ ،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد، طبع سوم ،۱۹۹۴ء،ص۱۱۳۔۱۱۴

۵۔ ایضاًص ۱۱۷۔۱۱۸

۶۔ حفیظ الرحمان و عبد العزیز بلوچ، تعارف ،مشاہیر نظم و نثر ، کاروان ادب، ملتا ن،۱۹۷۸ء ،ص ۵۸

۷۔ ایضاً۵۹

۸۔ ایضاً۵۹

۹۔ طیبہ خاتون، ڈاکٹر ، اردو نثر کی داستان ، میر پور آزاد کشمیر ،اسلان بکس ،۲۰۰۸ء،ص۲۴۰

۱۰۔ ایضاً ص۱۷۳۔۱۷۴

۱۱۔ سید عبداللہ،ڈاکٹر ،میر امن سے عبدالحق تک۔ مجلس ترقی ادب اردو ، لا ہور ، ۲۰۰۵ء،ص ۲۱۰

۱۲۔ سید عبداللہ ،ڈاکٹر،سر سید اور ان کے رفقاء ،سنگ میل پبلی کیشنز، لا ہور ،۱۹۹۸ء،ص ۱۸۱

۱۳۔ محمد حسین ،آزاد نمبر گورنمنٹ کالج لا ہور ،۱۹۸۳،ص ۲۰۶